اہل حدیث کا گمنام سپوت

شہید ناموسِ رسالت ﷺ۔ غازی علم الدین شہید

تحریر: مظہر علی خان لاشاری

غازی علم الدین نے بدبخت راجپال کو جہنم واصل کر کے خود تھانے جا کر گرفتاری دی

غازی علم دین رسول اللہ ﷺ کا سچا پروانہ تھا جو کبھی ترکھان کا کام اور کبھی لاہور کے اندر بھاٹی اور لوہاری دروازے میں تانگہ چلا کر محنت مزدوری کرتا تھا لیکن حضور اکرم ﷺ کی محبت اور ان کی پاکیزہ ناموس پر قربان ہو کر وہ مقام حاصل کر گیا کہ جو بڑے بڑے زاہد اور متقی لوگوں کے حصہ میں بھی نہ آیا۔ 1923ء کے زمانہ میں ہندو آریہ سماج تنظیم جن کا مقصد اسلام کے خلاف غلط اور جھوٹا پروپیگنڈا کرنا اور اس بارے میں ہر جگہ اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرنا اور حضور اکرم ﷺ کی شان کے بارے میں غلط کتابیں شائع کرانا ہوتا تھا۔ اس تنظیم نے بدبخت ہندو مصنف راجپال کی رسوا زمانہ لکھی گئی کتاب جس کا نام قلم اور ذہن میں لا کر اپنے اس قلم کو آلودہ نہیں کرنا چاہتا کہ جس کی عظمت کی قسم قرآن نے کھائی ہے تو وہ کتاب حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخیوں اور ام المومنین کی شان کے خلاف بھری ہوئی تھی۔ اس کتاب کو پروفیسر شمل بدی نے شائع کیا اور جونہی یہ کتاب منظر عام پر آئی تو مسلمانوں میں کہرام برپا ہو گیا ہر طرف راجپال دوزخی کتے کے خلاف مظاہرے ہونے لگے اس دوران غازی خدا بخش نے سب سے پہلے اپنے آقا کی ناموس کا بدلہ لینے کیلئے راجپال پر حملہ کیا اور اس بدبخت کو شدید زخمی کر دیا۔ بعد میں مسلمانوں نے لاہور ہائی کورٹ میں اس رسوا زمانہ کتاب کے خلاف رٹ کر دی جس پر ہائی کورٹ کے ذریعے راجپال کو ایک ہزار روپے جرمانہ اور چھ ماہ کی قید ہوئی جو بعد میں ڈبل بنچ میں اپیل کے ذریعے ختم ہو گئی اور یوں راجپال سزا اور جرمانے سے بچ گیا۔ اس فیصلہ سے مسلمانوں کے جذبات شدید متاثر ہوئے اور ایک بار پھر پورے ملک میں ہنگامے پھوٹ پڑے، اس دوران امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے لاہور میں آ کر خود تانگہ

پر سوار ہو کر اعلان کیا کہ کل یکم اپریل 1929ء کو لاہور کے دہلی دروازہ میں عطاء اللہ شاہ کی تقریر ہوگی۔ مسلمانوں سے شرکت کی اپیل کی جاتی ہے، اس دوران امیر شریعت سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آج ننگے سر کیوں ہیں تو حضرت شاہ جی نے جواب دیا کہ جس شہر (لاہور) میں بخاری کے نانا آقا دو جہاںؐ کی ناموس پر حملہ کرنے والا زندہ ہو تو وہاں بخاری سر پر عمامہ کس طرح سے باندھ سکتا ہے۔ یکم اپریل کو لاہور کے دہلی دروازہ بیرون شاہ محمد غوث حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری نے تقریر کی جبکہ اس جلسہ کی صدارت مہتمم دار العلوم دیو بند حضرت مفتی کفایت اللہ نے کی اور اس جلسہ میں حضرت سید احمد شاہ دہلوی بھی موجود تھے۔ لاکھوں کا مجمع تھا حضرت شاہ جی نے ایسی تقریر کی کہ ہر طرف مسلمانوں کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ مجاہد ختم نبوت حضرت شورش کاشمیری کا بیان ہے کہ اس رات لاہور جاگ رہا تھا۔ مسلمانوں کے جوش کا عالم ایسا تھا کہ اس رات اگر مسلمانوں کو ٹھنڈا نہ کیا جاتا تو شہر میں کوئی ہندو زندہ نہ رہ سکتا۔ اس تقریر میں علم الدین بھی موجود تھا جس نے تقریر ختم ہونے کے بعد اس بات کا عہد کر لیا تھا کہ راجپال کو میں ہی جہنم واصل کروں گا اور پھر تاریخ نے دیکھا کہ 6/اپریل 1929ء کو دن کے ایک بجے جب راجپال مصری شاہ کے قریب اپنے چوبارے پر موجود تھا تو حضرت علم الدین نے اوپر چوبارے پر جا کر راجپال کو چھری کے ساتھ وار کر کے جہنم واصل کر دیا اور نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے باہر آگئے اور یوں شمع رسالتؐ کے اس پروانے نے تھانے میں خود جا کر اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ چار روزہ ریمانڈ کے بعد پولیس نے کیس مکمل کر کے 10/اپریل کو کیس عدالت میں بھیج دیا جس میں 22/مئی 1929ء کو سیشن کورٹ سے غازی علم الدین کو سزائے موت کی سزا ہوئی، فیصلہ سن کر علم الدین کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آگئے اور انہوں نے اس موقع پر اپنے والدین کو مبارک باد دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بیٹے کو اپنے محبوبؐ کی ناموس کی حفاظت کیلئے شہادت کے مقام پر سرفراز کیا ہے۔ مسلمانوں نے اس فیصلہ کے خلاف 30/مئی کو لاہور ہائی کورٹ میں اپیل کر دی جس میں قائداعظم محمد علی جناحؒ حضرت غازی شہید کی طرف سے عدالت میں پیش ہوئے اور دلائل دیئے لیکن ہائی کورٹ نے سیشن کورٹ کا فیصلہ برقرار رکھتے ہوئے اپیل خارج کر دی، ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ 15/جولائی 1929ء کو سنایا اور یوں حضرت علم الدین کو پھانسی کیلئے میانوالی جیل منتقل کر دیا گیا جہاں پر وہ دن رات اپنے محبوبؐ کی محبت اور اللہ کے پاس جلد جانے کیلئے تڑپتے رہے۔ 31/اکتوبر 1929ء کو حضرت علم الدین کو اللہ تعالیٰ نے پھانسی کے ذریعے شہادت کے اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا جس کوٹھری میں حضرت علم الدین قید تھے، 30/اکتوبر کی رات اس کوٹھری پر پہرہ دینے والے عبداللہ نامی وارڈن نے خطیب پاکستان حضرت قاضی احسان احمد شجاع آبادی جب وہ 1954ء میں میانوالی جیل میں ختم نبوت کی تحریک کے دوران قید تھے تو اس عبداللہ نامی

وارڈن نے بتایا کہ پھانسی سے ایک رات قبل میں نے اچانک حضرت غازی علم الدین شہید کی کوٹھری میں ہر طرف نور ہی نور دیکھا۔ کوٹھری جس میں ہر وقت اندھیرا ہوتا، آج کی رات وہ چودھویں کے چاند سے بھی بہت زیادہ روشن تھی۔ اس دوران جب میں نے حضرت علم الدین کو دیکھا تو وہ سجدے میں پڑے زور زور سے رو رہے ہیں، میں اندر داخل ہوا اور خود بھی رو پڑا، میں نے حضرت علم الدین کو اس کے بعد بہت خوش دیکھا۔ آج بھی میانوالی جیل میں وہ مبارک کوٹھری موجود ہے کہ جہاں پر علم الدین قید کئے گئے تھے۔ آخر 31 اکتوبر کو علی الصبح حضرت علم الدین کو پھانسی گھاٹ کی طرف لے جایا گیا آپ جونہی شہادت گاہ کی طرف بڑھنے لگے تو بیرکوں میں بند قیدیوں نے بڑے جوش و جذبے کے ساتھ نعرہ تکبیر لگانے شروع کر دیئے اور آپ کی شان اور عظمت پر رشک کرنے لگے کہ کوئی تو زن اور زمین کے لڑائی جھگڑوں پر پھانسی کی سزا پاتا ہے اور علم الدین کی شان یہ کہ آقائے دو جہاںؐ کی عظمت اور ناموس کی خاطر قربان ہو رہا ہے۔ علم الدین نعروں کا جواب دیتے بڑی شان اور دھج کے ساتھ شہادت گاہ تک پہنچے۔ شاید فیض نے یہ شعر اسی لئے لکھا تھا کہ:

جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

غازی شہید نے شہادت گاہ پر کھڑے ہو کر سب حاضرین کو گواہ بنا کر تین مرتبہ با آواز بلند کلمہ شہادت پڑھا اور پھر پھانسی کے رسے کو چوم کر گلے میں ڈالا اور یوں آپ کو پھانسی دی گئی۔ پھانسی کے بعد آپ کا جسد خاکی نماز جنازہ کے بعد میانوالی جیل میں ہی دفن کر دیا گیا۔ ادھر لاہور میں ہنگامے برپا ہو گئے۔ مسلمانوں کا ایک وفد حضرت علامہ اقبال، سر محمد شفیع کی قیادت میں وائسرائے ہند سے ملا اور حضرت علم الدین کے جسد خاکی کو لاہور لانے کا مطالبہ کیا وائسرائے نے چند شرائط پر یہ درخواست منظور کر لی اور یوں 8 نومبر 1929ء کو حضرت علم الدین کا جسد خاکی میانوالی سے ریل کے ذریعے لاہور لایا گیا جہاں پر لاکھوں لوگوں نے آپ کے جنازے میں شرکت کی، آپ کی نماز جنازہ چار مرتبہ ادا کی گئی۔ پہلی مرتبہ بادشاہی مسجد کے خطیب مولانا دیدار علی شاہ نے پڑھائی، بعد میں مولانا شمس الدین خطیب مسجد وزیر خان، تیسری مرتبہ حضرت سید احمد شاہ جبکہ چوتھی مرتبہ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ نے پڑھائی۔ میانی صاحب میں آپ کی قبر بنائی گئی آپ کو لحد میں حضرت علامہ اقبال نے اتارا اور اس دوران حضرت غازی علم الدین کا ماتھا چوم کر فرمایا کہ ”ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا اسیں تے گلاں کردے رہ گئے۔“ (بشکریہ نوائے وقت لاہور 29 اکتوبر 2010ء)